صد سالہ جوبلی منصوبہ اور ہماری ذمہ داریاں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۳ / دسمبر ۱۹۸۲ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:

صد سالہ جوبلی کا جو منصوبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کے سامنے پیش فرمایا تھا، اس وقت اگر چہ آپ کے پیش نظر اڑھائی کروڑ روپے کی تحریک تھی، لیکن بہت جلد احباب جماعت کے غیر معمولی اخلاص کے اظہار سے یہ بات ثابت ہوئی کہ جماعت اس موڈ میں تھی کہ وہ دس کروڑ سے زائد پیش کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل نے جماعت کو یہی توفیق عطا فرمائی اور تمام دنیا کی جماعت ہائے احمدیہ نے اڑھائی کروڑ کی بجائے دس کروڑ ستتر لاکھ اکہتر ہزار دوسو ستائیس (۱۰,۷۷,۷۱,۲۲۷) روپے کے وعدے پیش کئے۔

یہ منصوبہ جس کا نام صد سالہ جشن احمدیت بھی رکھا گیا اور جشن ہی کا انگریزی ترجمہ جوبلی ہے۔ اس غرض کیلئے تو نہیں بنایا گیا تھا کہ سو سال انتظار کے بعد کروڑ ہا روپے کو ہم میلے کی شکل میں خرچ کر دیں اور جس طرح دنیا کی قومیں بے معنی اور کھوکھلے جشن مناتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یہ جماعت بھی لغویات میں مبتلا ہو کر ایک بے معنی اور بے ہودہ خوشی کا اظہار کرے۔ اگر یہ مقصد ہو تو یہ

سارا روپیہ ضائع ہونیوالی بات ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جماعتِ احمدیہ کے مقاصد کی گردن پر چھری پھیرنے کے مترادف ہے۔

اس منصوبے کے کچھ اور مقاصد تھے جو مختلف وقتوں میں جماعت کے سامنے کھول کر پیش کئے جاتے رہے۔ اس غرض سے ایک منصوبہ بندی کمیشن بھی بنایا گیا اور میں بھی اس کا ایک ممبر تھا۔ بڑے تفصیلی غور وخوض کے بعد تمام دنیا کے حالات کا جائزہ لیکر اور تمام دنیا سے کوائف اکٹھے کر کے وقتاً فوقتاً اس منصوبے کی مختلف شکلیں ابھرتی رہیں۔ ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ سے وقت لے کر کبھی ساری کمیٹی پیش ہوتی رہی اور کبھی سیکرٹری منصوبہ بندی کمیشن۔ اور بعض دفعہ گھنٹوں اکٹھے بیٹھ کر اس کی تفصیلی چھان بین کی جاتی رہی اور بالآخر وہ منصوبہ ایسی شکل میں منظور ہوا کہ اگر چہ اس کے بعض پہلو ابھی بھی قابل غور ہیں، لیکن خدا کے فضل سے اکثر شکلیں اپنی سوچ اور فکر کے لحاظ سے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں۔

اس غرض کے لیے جو اخراجات درپیش ہیں وہ اس نوعیت کے نہیں ہیں کہ آخری وعدوں کی آخری وصولی آخری سال یعنی ۱۹۸۹ء میں ہو، تب بھی ہمارا کام چل جائے۔ اخراجات میں سے ایک بہت بڑا حصہ اس نوعیت کا ہے کہ صد سالہ جشن سے چند سال پہلے اگر ساری وصولی ہو سکے تو زیادہ عمدگی کے ساتھ کام چل سکتے ہیں اور اگر اس میں تاخیر ہو جائے تو یہ بھی خطرہ ہے کہ بعض بنیادی اور اہم ضرورت کے کام تشنۂ تکمیل رہ جائیں۔ لیکن اس وقت وصولی کی جو شکل سامنے آئی ہے وہ انتہائی فکر انگیز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اعداد وشمار چونکہ ایک الگ محکمے سے تعلق رکھتے تھے یعنی اس کیلئے ایک ’’سیکرٹری صد سالہ جوبلی برائے وصولی چندہ‘‘ الگ مقرر تھا۔ اس لیے منصوبہ بندی کمیشن کے سامنے چندہ کی تدریجی وصولی کے اعداد وشمار نہ پیش ہوئے، نہ ان سے اس کمیشن کا کوئی تعلق تھا، لیکن اب جب میں نے یہ اعداد وشمار نکلوائے تو یہ فکر انگیز صورت سامنے آئی کہ تدریجی وصولی کے لحاظ سے اب تک جتنا وقت گزر چکا ہے اس نسبت سے جو وصولی ہونی چاہئے تھی وہ نہیں ہوئی۔ یعنی دس کروڑ ستتر لاکھ اکہتر ہزار دوسو ستائیس (۱۰,۷۷,۷۱,۲۲۷) میں سے چھ کروڑ بیالیس لاکھ چھیانوے ہزار آٹھ سو ترپن (۶,۴۲,۹۶,۸۵۳) روپیہ اب تک وصول ہو جانا چاہئے تھا۔ اس کے مقابل پر اس

وقت تک کل وصولی صرف تین کروڑ پچپن لاکھ انسٹھ ہزار دوسو چونتیس (۳,۵۵,۵۹,۲۳۴) روپیہ ہے۔ گویا دس کروڑ ستتر لاکھ کے وعدوں میں سے سات کروڑ روپیہ بقیہ چند سالوں میں قابل وصول پڑا ہوا ہے۔اس کا مزید تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ پاکستان کا کل وعدہ پانچ کروڑ بیالیس لاکھ اکانوے ہزار دوسوتر اسی روپے تھا۔اس کے مقابل پر پاکستان کو اب تک وصولی کی شکل میں تین کروڑ پچیس لاکھ چوہتر ہزار سات سوانہتر (۳,۲۵,۷۴,۷۶۹) روپے پیش کر دینا چاہئے تھا، لیکن ادائیگی صرف ایک کروڑ ستاون لاکھ نواسی ہزار نوسواٹھارہ (۱,۵۷,۸۹,۹۱۸) روپے ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک بھی پاکستان کی جماعتیں اس چندے میں اللہ تعالیٰ کی ایک کروڑ ستاسٹھ لاکھ چوراسی ہزار آٹھ سو اکاون (۱,۶۷,۸۴,۸۵۱) روپے کی مقروض ہو چکی ہیں اور بقیہ وعدہ اگر تدریجاً دیں اور جلدی نہ دیں حالانکہ جلدی دینے کی ضرورت ہے، (ضرورت یہ ہے کہ آخری سال سے دو تین سال پہلے سب روپیہ وصول ہو جائے) تب بھی ایک کروڑ ستاسٹھ لاکھ چوراسی ہزار روپے کا مزید باران کے اوپر ایسا پڑا ہوا ہے جو بظاہر پورا ہوتا نظر نہیں آتا سوائے اس کے کہ جماعتیں غیر معمولی قربانی اور فکر اور ہمت سے کام لیں۔تو پاکستان کی جماعتوں کو اب تک جو ادا کرنا چاہئے تھا اس میں سے نصف بھی ادا نہیں ہو سکا یعنی اس کی وصولی صرف ۴۸ فیصدی ہے۔

بیرون پاکستان کی یہ شکل بنتی ہے کہ وہاں کی جماعتوں نے پانچ کروڑ چونتیس لاکھ اناسی ہزار نوسو چوالیس (۵,۳۴,۷۹,۹۴۴) روپے کا وعدہ لکھوایا، جس میں سے اب تک ان کو تین کروڑ سترہ لاکھ بائیس ہزار چوراسی (۳,۱۷,۲۲,۰۸۴) روپے ادا کرنا چاہئے تھا مگر ادائیگی صرف ایک کروڑ ستانوے لاکھ انہتر ہزار تین سو سولہ (۱,۹۷,۶۹,۳۱۶) روپے ہوئی ہے۔تو بیرونی جماعتیں پاکستان کے مقابل پر تدریجی وصولی میں کچھ آگے ہیں۔یعنی ان کو اب تک جو سو (۱۰۰) دینے تھے ان میں سے باسٹھ (۶۲) روپے دیئے ہیں اور ۳۸ روپے ان پر قرض ہو چکا ہے جبکہ پاکستان کی جماعتوں نے سو (۱۰۰) میں سے صرف ۴۸ روپے دیئے ہیں اور ان پر ۵۲ روپے کا قرض ہو چکا ہے۔ اس نسبت سے بیرون پاکستان وصولی کی رفتار قدرے بہتر ہے لیکن اور بہت سے پہلو ایسے ہیں جن کے لحاظ سے بہت سے بیرونی ممالک پاکستان کی جماعتوں کی قربانی کے معیار سے ابھی پیچھے ہیں۔ جب یہ صورت حال

سامنے آئی تو مزید جائزہ لیا گیا اور پتہ لگا کہ کراچی اور لاہور کی جماعتیں باوجود اِس کے کہ باقی چندوں میں وہ بہت مستعد ہیں، اس چندے میں نمایاں طور پر پیچھے رہ گئی ہیں۔ اکیلے کراچی کا وعدہ ایک کروڑ پچپن لاکھ پچپن ہزار پانچ سو پچپن (۱,۵۵,۵۵,۵۵۵) روپے تھا، جس میں سے دو تہائی ابھی ان کے ذمے قرض پڑا ہوا ہے۔ اسی طرح لاہور کا وعدہ تراسی لاکھ انہتر ہزار ایک سو چھہتر (۸۳,۶۹,۱۷۶) روپے تھا اس میں سے بھی بیشتر ان کے ذمہ ابھی قرض پڑا ہوا ہے۔ دوسری طرف چندوں کی بہتری کی جو تحریکات چل رہی ہیں اور اس کے لیے ایک رَو چلی ہوئی ہے اس طرف بھی لازماً جماعت کی توجہ ہے۔ پھر تحریک جدید ہے۔ وقف جدید ہے۔ اسی طرح اور بہت سی تحریکات ہیں۔ مثلاً ’’بیوت الحمد‘‘ کا منصوبہ بھی سامنے آیا ہے۔ یہ سارے بوجھ جماعت نے بہر حال اُٹھانے ہیں۔

میں ان کو بوجھ اس لیے کہتا ہوں کہ اردو محاورے میں یہی لفظ سامنے آتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ بوجھ نہیں ہیں۔ عربی زبان میں تو دو الگ الگ ایسے لفظ استعمال ہوئے ہیں جن سے فرق ہو جاتا ہے۔ ذمہ داریوں کیلئے قرآن کریم حمل کا لفظ استعمال کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرہ: ۲۸۷) اور رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا (البقرہ: ۲۸۷) میں اصر کا لفظ دوسرے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ قرآن کریم اِصر کا لفظ اس بوجھ کے لیے استعمال کرتا ہے جس کو قوموں نے ذمہ داریاں سمجھ کر اٹھایا مگر پھر ان سے بے پرواہی کی۔ تب وہ ذمہ داریاں ان کے اوپر بیٹھ گئیں اور یہ ان کو بوجھ سمجھ کر اٹھائے پھرتے رہے۔ حقیقت میں وہ بوجھ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت اور انعام تھا۔ پس جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ اصر کا لفظ قرآن کریم میں عموماً اس قسم کے بوجھوں کے لیے استعمال ہوا ہے جہاں شریعت کی ذمہ داری کو عرف عام میں بوجھ اور مصیبت اور بیگار کہا جاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کی ایک صفت یہ بیان فرمائی يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ (الاعراف: ۱۵۸) کہ وہ ان کے اوپر سے بوجھ اتارتا ہے۔ اگر اصر سے شریعت کی ذمہ داریاں مراد ہوں تو اس کا مطلب یہ بنے گا کہ آنحضرت ﷺ نعوذ باللہ شریعت کی ذمہ داریوں سے آزاد کرانے آئے تھے حالانکہ آپؐ تو ذمہ داریاں ڈالنے والے تھے نہ کہ اتارنے والے۔ پس مراد یہ تھی کہ پرانی شریعتوں نے جن چیزوں کو بوجھ سمجھ لیا یا شریعت سے زائد ذمہ داریاں قبول کر لیں جو

واقعۃً بوجھ تھیں ان سب کو اتار پھینکا۔ نفسیاتی لحاظ سے رجحان میں بھی تبدیلی پیدا کی اور وہ ذمہ داریاں جو خدا نے نہیں ڈالی تھیں ان کو بھی دور فرما دیا۔

چونکہ اردو میں کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا اس لئے میں مجبور ہوں کہ بوجھ کہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام اور اس کا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ جس جماعت کو قربانی کے لئے بلائے اور اس پر انحصار کر دے دنیا میں انقلابات لانے کا، اس پر بنا رکھ دے ایک نئی زمین اور اک نئے آسمان کی تعمیر کی اس کے لیے اس سے بڑا انعام اور احسان اور کیا ہو سکتا ہے۔ یعنی اس ساری دنیا میں سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہی چنا ہے انقلاب اور تبدیلی لانے کیلئے۔ حالانکہ آج دنیا میں اربوں ارب روپیہ کمانے والے ایسے افراد موجود ہیں جو جماعت احمدیہ کی کل دولت سے زیادہ اکیلے دولت رکھتے ہیں پھر بیشمار کمپنیوں میں سے ایسی Multi National کمپنیاں موجود ہیں جو بعض بڑے بڑے ملکوں کی دولت سے زیادہ دولت اپنے ہاتھ میں رکھتی ہیں۔ پس جہاں تک دولتوں کے سمندر کا تعلق ہے ہم اس کا ایک قطرہ بھی شمار ہونے کے اہل نہیں ہیں پھر جہاں تک دنیاوی طاقتوں اور سیاسی طاقتوں کا تعلق ہے، دنیا میں ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس لئے خدا کا ہمیں اس بات کیلئے چن لینا کہ ساری دنیا کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا لو اور میں تمہارے ساتھ ہوں، اس سے بڑا احسان اور اس سے بڑا انعام اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسلئے یہ ہماری خوش قسمتی ہے اور جب تک خوش قسمتی سمجھ کر ہم ان ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہیں گے ادائیگی کی بھی توفیق ملتی رہے گی اور اس کے بدلے میں ہم بے انتہاء فضلوں کے بھی وارث بنائے جائیں گے۔ لیکن اگر ہم نے اس انعام کو اِصر سمجھ لیا۔ ایسا بوجھ جو چٹی کے طور پر پڑ جاتا ہے تو پھر ہماری قربانیاں بھی رائیگاں گئیں اور انکے مقاصد بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

سوال یہ ہے کہ ایسی جماعت جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں اخلاص کے لحاظ سے ایک بے مثل مقام رکھتی ہے اور جب وہ وعدہ کرتی ہے تو پورے اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ اسے پورا کرتی ہے، وہ اتنے اہم چندے میں پیچھے کیوں رہ گئی؟ میں نے مختلف حیثیتوں میں بطور سائق بھی کام کیا، بطور زعیم بھی کام کیا، بطور قائد بھی اور بطور صدر مجلس بھی۔ اسی طرح وقف جدید میں بھی مجھے موقع ملا۔ جماعت کے مالی نظام کے متعلق میرا سالہا سال کا تجربہ ہے کہ جماعت احمدیہ، بحیثیت جماعت

کسی قربانی سے پیچھے رہنے والی جماعت نہیں ہے نظام جماعت کے جو کارندے ہیں بعض دفعہ ان میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں جماعتیں چندوں میں پیچھے رہنا شروع ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ غفلت کی حالت میں بعض دفعہ واقعۃً وہ اتنا پیچھے رہ جاتی ہیں کہ پھر مزید ذمہ داری کا اٹھانا ان کیلئے بوجھ بن جاتا ہے۔ ذمہ داری نہیں رہتی۔ یہ جو حالت ہے اس میں لازماً ایک حصہ اس نظام سے بھی تعلق رکھتا ہے جس کا فرض تھا کہ ہر سال جماعت کو بیدار کرتا رہے اور جھنجھوڑتا رہے اور یاد کراتا رہے کہ یہ تمہاری ذمہ داری ہے اور تم اسکی ادائیگی میں پیچھے رہ رہے ہو۔ پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اس منصوبے کے جو اعلیٰ مقاصد ہیں ان کو جس طرح کھل کر بار بار جماعت کے سامنے پیش ہونا چاہئے تھا اس کا کوئی موقع نہیں آیا۔ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء ہی میں جو منصوبہ کھول کر پیش کیا تھا اسکے سارے نقوش چھپ چکے ہیں لیکن وہ ایسی صورت میں چھپے ہیں کہ جس طرح اخبار الفضل جماعت کے سامنے پیش کرتا ہے یا دوسرے رسائل اس طرح وہ جماعت کے سامنے بار بار نہیں آسکے جس طرح ان کا حق تھا۔ وہ یا شوریٰ کی کارروائی میں پڑے ہوئے ہیں۔ یا منصوبہ بندی کمیشن کے سامنے جو ہدایات ہیں یا کمیشن کی سوچ و بچار کے جو نتائج ہیں وہ ان کی فائلوں میں دبے پڑے ہیں۔ تو جماعت کے سامنے کھل کر بار بار یہ بات پیش نہیں ہوئی کہ یہ یہ کام ہیں جن پر اتنا خرچ آنا ہے اور تمہاری غفلت یا نیند نے اب تک یہ نقصان پہنچا دیا ہے۔ منصوبہ بندی کے سارے کوائف تو میں آپکے سامنے پیش نہیں کرسکتا۔ لیکن خلاصۃً چند باتیں میں نے نوٹ کی ہیں جو میں اس وقت آپکے سامنے رکھنی چاہتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ کتنے عظیم مقاصد ہیں جن کیلئے یہ روپیہ خرچ ہونا ہے اور بعض ضرورتیں کتنی تیزی کے ساتھ سامنے آ کھڑی ہیں اور اگر ان کی طرف فوری توجہ نہ دی گئی تو پھر اتنا وقت ہی نہیں رہیگا کہ انکی طرف توجہ دی جاسکے۔

جلسہ سالانہ قریب آنیوالا ہے اس لئے ہم یہاں سے بات شروع کرتے ہیں۔ جب سوسالہ جلسہ سالانہ ہوگا تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ساری دنیا سے کس طرح جوق در جوق احمدی پروانوں کی طرح جلسہ پر حاضر ہونگے اور جلسے کی یہ شکل تو نہیں رہے گی جو اس وقت ہے۔ اس کے انتظامات ہر پہلو سے کئی گنا پھیل جائیں گے۔ عمارتوں کے تقاضے ہیں۔ نئی جلسہ گاہ بنانے کے تقاضے

ہیں۔ پھر لنگروں کے نئے تقاضے پیدا ہوں گے۔ پھر اُس جلسے سے تعلق رکھنے والے جشن کے بعض ایسے پہلو ہیں جو اسی وقت سامنے آئیں گے اور جلسے سے پہلے ہی ان پر کام مکمل ہو چکا ہوگا۔ گویا وہ سارا سال ہی عملاً جشن میں گذرے گا۔ اور بعض پہلو ایسے ہیں جن کی تیاری پر ابھی سے خرچ کرنا پڑے گا اور ابھی سے محنت کرنی پڑے گی۔ مثلاً تعمیرات ہیں۔ اس کے لئے زمین حاصل کرنے کا کام ہے۔ (اس کا ایک حصہ تو ہو چکا ہے) پھر یہ جائزہ کہ اس زمین کو کس طرح بہتر رنگ میں جلسہ سالانہ کے لئے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ کس قسم کی تنصیبات کی ضرورت ہے۔ کس قسم کی تعمیرات کی ضرورت ہے۔ نقشے بنتے بنتے ہی کافی وقت لگ جاتا ہے۔ پھر جب ''گو آرڈر'' (Go Order) یعنی کام شروع کر دو، کہا جائے گا تو اس کے لئے کئی سال درکار ہیں۔ پھر ضروری کتب اور پمفلٹ کی اشاعت ہے۔ تمام ملکوں میں خدمت اسلام کی با تصویر تاریخ ہم نے وہاں پیش کرنی ہے۔ تصنیف کا یہ ایک شعبہ جلسہ سالانہ سے تعلق رکھنے والا ہے۔

غانا، نائیجیریا، سیرالیون، امریکہ، انگلستان، جرمنی اور دیگر ممالک جہاں جماعت احمدیہ کے باقاعدہ مشن قائم ہیں، ان تمام مشنوں کی پوری تاریخ الف سے ی تک اور پھر وہاں جماعت کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے کیا کیا کامیابیاں نصیب ہوئیں، نہایت اعلیٰ قسم کی با تصویر کتابوں کی شکل میں پیش کرنی ہے۔ جس سے ہر بڑی زبان میں پڑھنے والا معلوم کر سکے کہ کیا پیش کیا گیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے کیپشنز (Captions) یعنی عنوانات مختلف زبانوں میں تیار ہوں۔ کچھ فرنچ میں، کچھ اٹالین میں، کچھ جرمن میں کچھ اردو میں، کچھ عربی میں، کچھ سواحیلی میں، کچھ روسی اور لاطینی میں۔ غرض یہ کہ مختلف زبانوں میں ہمیں ساتھ ایک ایک لائن کا تعارف دینا پڑے گا۔ اب صرف یہی اتنا بڑا اور وسیع کام ہے کہ اس کی تیاری کے لئے اخراجات کی ضرورت ہے اور بہت سے آدمیوں کی ضرورت ہے جو ابھی سے ہمہ تن وقف ہو کر یہ کام شروع کر دیں۔

علاوہ ازیں دنیا کی ایک سو زبانوں میں اسلام کا پیغام دنیا کے کونے کونے تک پہنچانے کا کام ہے۔ اس کام کیلئے ان زبانوں کے ماہرین کی تیاری کی ضرورت ہے۔ اس پر بہت سا روپیہ خرچ ہوگا۔ اگر اپنے ماہرین تیار نہیں ہو سکتے تو دوسرے ماہرین کو لینا پڑے گا۔ پھر پمفلٹ کی اشاعت کی

تیاری اور اس کی تقسیم کی تیاری ہے کہ وہ تقسیم کس طرح ہوگی تا کہ دنیا کی ایک سو زبانوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پیغام پہنچ جائے۔ یہ ہے ہمارا جشن۔

اب وقت تھوڑا رہ گیا ہے اس کام کیلئے ہم یہ تو نہیں کر سکتے کہ ساری دنیا کی کمپنیوں کو کہیں کہ ہمارا کام کر دو۔ ہم پیسے بعد میں دیدیں گے۔ ہمارے پیسے آنیوالے ہیں۔ انتظار کرو۔ یہ تو کوئی بھی نہیں مانے گا۔ آج کل بہت سے کام ایسے ہیں جن پر پیشگی خرچ کرنا پڑتا ہے۔

پھر ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ایک سو ملکوں میں جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ کے فضل سے قائم ہو چکی ہو۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کوشش کے لئے کتنی محنت اور کس قدر اخراجات کی ضرورت ہے۔ جن نئے ملکوں کا انتخاب کیا جائے گا (اور وہ انتخاب ساتھ ساتھ ہو رہا ہے) ان میں مشنوں کا قیام، وہاں مبلغوں کا بھجوانا اور ان کی وہاں کی ضروریات کا پورا کرنا ہے۔ اگر فی الحال صرف کرائے پر مکان لیکر ہی کام شروع کیا جائے تو اس پر بھی بے انتہا خرچ کا اندازہ ہے۔ آپ تصور ہی نہیں کر سکتے کہ باہر کی دنیا خصوصاً مغربی دنیا میں روپے کی کیا قدر اور حیثیت رہ گئی ہے اور وہاں چھوٹے چھوٹے مشنوں کے قیام کے لئے کتنے اخراجات کرنے پڑتے ہیں۔ پھر مساجد اور مشن ہاؤسز کی تعمیر ہے۔ سو (۱۰۰) جگہ تو باقاعدہ جماعتیں قائم کرنی ہیں لیکن اس کے علاوہ ہر جگہ عمارت خرید کر یا اپنی عمارت تعمیر کر کے مشن کا قائم کرنا اس وقت ہمارے لئے ناممکن ہے۔ میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے، اکثر صورتوں میں مکان کرائے پر لے کر گذارہ کرنا پڑے گا۔ ایک کمرہ بھی مل جائے تو مبلغ وہاں تبلیغ کا کام شروع کر سکتا ہے۔ دو مشنوں یعنی اٹلی اور برازیل کے لئے تو خدام الاحمدیہ پہلے ہی روپیہ پیش کر چکی ہے لیکن ان کے علاوہ جو ملک ہمارے پیش نظر ہیں ان میں یونان ہے، پرتگال ہے، آسٹریا ہے، آئرلینڈ ہے، آسٹریلیا ہے، نیوزی لینڈ ہے۔ اسی طرح ایسے افریقی ممالک ہیں جہاں فرانسیسی زبان بولی جاتی ہے اور ابھی تک ہمارا وہاں کوئی نفوذ نہیں ہوا۔ سوائے بینن اور ماریشس کے جو فرانسیسی بولنے والے ممالک ہیں، ابھی تک جماعت احمدیہ کو فرانسیسی کالونیز میں پھیلنے کا موقع نہیں ملا۔ دنیا کا یہ ایک بڑا حصہ ہے جو احمدیت سے خالی پڑا ہے۔ پھر ساؤتھ ایسٹ ایشیا یعنی جنوب مشرقی ایشیا یا فار ایسٹ یعنی مشرق بعید وغیرہ۔ (جو جو اصطلاحیں جغرافیائی حالات پر پوری اترتی ہیں۔ ان کی روشنی میں مَیں کہہ

رہا ہوں۔) یہ سارے علاقے عملاً محتاج پڑے ہوئے ہیں یہاں احمدیت کا پیغام نہیں پہنچا۔ پھر بدھسٹ (Buddhist) دنیا ہے۔ دنیا میں بدھوں کی بہت بڑی تعداد پائی جاتی ہے۔سارے مسلمانوں کی کل تعداد سے دُگنے سے بھی یہ زیادہ ہیں۔لیکن ان میں ابھی تک جماعت کا کوئی نفوذ نہیں۔ بدھ ممالک میں مشنوں کا ایسا قیام ہو کہ بدھ قوم کو تبلیغ کی جائے۔ بدھ ممالک میں اس وقت ہمارے جتنے بھی مشن کام کر رہے ہیں وہ ہندوستانی نسل کے آبادکاروں میں تبلیغ کرتے رہے ہیں اور انہی میں سے جماعتیں بنا چکے ہیں۔لیکن جہاں تک بدھ دنیا کا تعلق ہے وہاں خلا پڑا ہوا ہے۔

پھر آپ جنوبی امریکہ میں چلے جائیں جو عملاً ایک عظیم الشان کانٹینٹ یعنی براعظم ہے۔ ایک برّ اعظم ساؤتھ امریکہ کا بن جاتا ہے اور ایک نارتھ یعنی شمالی امریکہ کا بن جاتا ہے۔جغرافیائی لحاظ سے تو شاید ان دونوں کو ایک ہی برّ اعظم کہیں لیکن جغرافیائی تقسیم ایسی ہے کہ حقیقت میں ساؤتھ امریکہ ایک الگ براعظم ہے۔ وہاں ایک برازیل سے تو بات نہیں بنے گی۔اور برازیل میں صرف ایک مشن قائم کرنے سے تو بات نہیں بنے گی۔ وہاں دسیوں اور ممالک ہیں چھوٹے بھی اور بڑے بھی اور ان کے جزائر جو بہت پھیلے ہوئے ہیں، ان سب میں ہمیں کام کرنا پڑے گا۔تو یہ کام بھی قرض سے تو نہیں چل سکتا کہ ہم ان سے کہیں ہمیں یہاں مشن بنانے دو مگر پہلے تم اپنی طرف سے خرچ کر دو۔ ہم تمہیں بعد میں دیدیں گے۔اس معاملے میں تو کسی نے آپ کے ساتھ معمولی سا بھی تعاون نہیں کرنا۔ان مشنوں کی تعمیر کے لیے ہی حقیقت میں کروڑوں روپیہ درکار ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی ذمہ داریاں ہیں جو اس منصوبے کے علاوہ جماعتوں نے خود ادا کرنی ہیں اور وہ پہلو بہ پہلو جاری رہیں گی۔مثلاً جرمنی میں جماعت کا جو پھیلاؤ ہے اس کے لحاظ سے وہاں مشن بہت تھوڑے ہیں۔مغربی جرمنی کے لیے ہم نے جو منصوبہ بندی وہاں کی تو پتہ چلا کہ کم از کم تین اور مشنوں کا قیام وہاں ضروری ہے۔ نیز موجودہ دونوں مشنوں یعنی ہمبرگ اور فرینکفورٹ کی توسیع ضروری ہے۔ مسجد ہمبرگ میں بھی اور مسجد فرینکفورٹ میں بھی جو حاضرین تھے ان کا اوورفلو (Over flow) کناروں تک باہر چلا جاتا تھا یعنی صحن بھی بھر جاتا اور لوگ سڑکوں تک پہنچ جاتے تھے۔نتیجہ یہ نکلا کہ ہمسایوں کو شکایت پیدا ہوئی۔ بہت سے ہمسائے تو بڑے خلیق اور ہمدرد ہیں

لیکن ان میں بعض اسلام کے دشمن بھی تھے۔ انہوں نے اعتراض کئے۔ یہاں تک کہ اب وہ توسیع کے معاملے میں بھی روک بنے ہوئے ہیں۔ یہ توسیعات اس منصوبے کے علاوہ ہیں۔

پھر انگلستان میں باوجود اس کے کہ قریب کے عرصہ میں خدا کے فضل سے چھ مشن قائم ہوئے ہیں وہاں ہماری مرکزی مسجد بہت چھوٹی رہ گئی ہے اور وہاں بھی یہی مسئلہ ہے کہ جگہ کی کمی کی وجہ سے دوست باہر کھڑے ہونے پر مجبور ہوتے ہیں۔ پارکنگ کی ضروریات پوری ہونے والی ہیں۔ احمدیوں کی کاروں سے تمام سڑکیں بھر جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہمسایوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ان کی تکلیف کا اظہار جائز بھی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ بڑی مہذب قومیں ہیں۔ لیکن برداشت کی بھی کچھ حدیں ہوتی ہیں۔ اب ہر جمعہ کو دوست مسجد میں اکٹھے ہوں اور تمام سڑکیں بھر دیں اور گزرنے والوں کے لیے ایک مصیبت کھڑی کر دیں تو وہ کہاں تک برداشت کر سکتے ہیں۔ اس لیے وہاں کاروں کی پارکنگ کے لیے جگہ کی ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے بہت سارو پیہ چاہئے۔

امریکہ میں کم از کم پانچ مشن فوری طور پر تعمیر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی اس منصوبے کے علاوہ ہے اور وہاں کی جماعتوں نے یہ بوجھ بھی اٹھانے ہیں۔

پس اتنے وسیع کام پڑے ہوئے ہیں جو ہم نے کرنے ہیں اور ابھی تو میں نے سارے کام آپ کے سامنے پیش ہی نہیں کئے۔ ان میں سب سے بڑا اور سب سے اہم کام قرآن کریم کے تراجم کی مختلف زبانوں میں اشاعت ہے۔ بہت سی زبانوں میں ابتدائی مراحل پر ترجمے مکمل ہو چکے ہیں۔ ان کی نظر ثانی، پھر نظر ثانی، اور پھر مزید احتیاط، یہ مراحل ابھی باقی ہیں۔ لیکن بسم اللہ کی ب سے لے کر النّاس کی س تک کا ترجمہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مکمل ہے اور مسودات پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے اوپر کمیٹیاں قائم کی جارہی ہیں۔ ماہرین ڈھونڈے جارہے ہیں تا کہ یہ مسودات بھی جلد سے جلد طباعت کی شکل میں دنیا کے سامنے آئیں۔ اخراجات کے سلسلے میں سوئٹزرلینڈ کی ایک کمپنی سے جب فرانسیسی زبان کے صرف ترجمے کے متعلق بات کی گئی کہ ترجمے کو اس درجے تک پہنچا دو کہ پروف ریڈنگ تک کا کام ہو جائے (اس کے بعد باقی سب خرچ جماعت نے کرنا تھا) تو ان کا اندازہ پچپن (۵۵) لاکھ روپے کا تھا اور اس کے بعد پچاس ساٹھ لاکھ روپے اس کی اشاعت پر خرچ ہونا تھا۔ پھر اس کی تقسیم کا

کام ہے کہ وہ کیسے ہوگی۔اس کے لیے بھی اخراجات درکار ہیں۔تو قرآن کریم کی ایک ایک اشاعت کے لیے ایک ایک کروڑ روپے کی ضرورت پیش آئے گی۔قرآن کریم کی اشاعت کا پورا حق تو انسان ادا ہی نہیں کرسکتا۔لیکن جہاں تک تمنا بیقرار ہے ہم کچھ تو کریں۔

الغرض یہ سارے کام وہ ہیں جو ابھی ہونیوالے ہیں۔اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے عمومی تصویر اب یہ بن رہی ہے کہ جماعت کے اوپر ابھی تک دو تہائی قرضہ پڑا ہوا ہے ان وعدوں کے لحاظ سے جو جماعت نے یقیناً بڑی محبت اور خلوص اور دیانتداری کے ساتھ پیش کیے تھے۔میں یہ تفصیلات اس لیے بتا رہا ہوں کہ جماعت کے اندر یہ احساس پیدا ہو کہ یہ سارے کام ہم نے ہی کرنے ہیں۔کسی اور نے آکر نہیں کرنے۔اس لیے جہاں سے چاہیں لیں اور جس طرح چاہیں کریں، لیکن یہ قرض جو ان کے ذمہ ہے اسے جلد اتار دیں۔ چاہے قرض اٹھائیں، بچوں کا پیٹ کاٹیں، اپنی دوسری ضروریات پیچھے کریں، اپنے گھروں کی تعمیر پیچھے ڈال دیں اور جو کچھ بھی وہ کریں گے خدا کی خاطر کریں گے۔کسی پر احسان تو نہیں ہے۔ بلکہ جو بھی توفیق خدمت کی ملے گی یہ ان پر احسان ہوگا۔اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ خود ان پر اپنے فضلوں کی بارش کرے گا۔ یہ ان کا اور خدا کا معاملہ ہے۔ نظام جماعت پر کسی کا ایک ذرے کا بھی احسان نہیں ہے۔کیونکہ یہ سودا ہی اللہ تعالیٰ کا ہے فرماتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ (التوبہ:۱۱۱)

کہ تمہارا سودا تو اللہ کے ساتھ ہوا ہے نہ کہ کسی انسان کے ساتھ۔حضرت محمد مصطفی ﷺ کے پاس جا کر احسان جتانے کی کیا ضرورت ہے۔آپؐ کو فرمایا ان سے کہہ دو قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ (الحجرات:۱۸) تم کہہ رہے ہو کہ ہم نے یہ قربانیاں کیں۔مجھ پر اپنا اسلام ہرگز نہ جتلاؤ۔ مجھ پر تمہارا کوئی احسان نہیں ہے بلکہ میں تمہارا محسن ہوں جو تمہیں اعلیٰ مقاصد کی طرف بلا رہا ہوں۔ میری وجہ سے تو تمہیں توفیق مل رہی ہے کہ تم خدا کی خاطر نہایت ہی اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے اپنی زندگیاں پیش کرو۔پس یہ احسان تم پر ہے نہ کہ مجھ پر۔

جہاں تک قربانیوں کا تعلق ہے اسلام تو ایک بڑا ہی منصفانہ مذہب ہے۔ اگر احسان

محمد مصطفیٰ ﷺ پر نہیں، آپؐ کے نظام پر نہیں تو وہ قربانیاں گئیں کہاں؟ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کہیں نہیں گئیں۔ وہ میرے پاس ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے ساتھ ایک سودا کیا ہے۔ میں نے تمہارا سب کچھ خرید لیا ہے۔ تمہاری جانیں بھی خرید لی ہیں۔ تمہارے اموال بھی خرید لیے ہیں۔ تمہاری جائدادیں بھی، تمہاری عزتیں بھی، تمہاری ساری تمنائیں بھی میں لے چکا ہوں۔ اس لیے کہ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یعنی ان لوگوں کے لیے میری جنتیں پیش کی جائیں گی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ دینے کے بعد وہ جنت جو رضائے باری تعالیٰ کی جنت ہے اور جو دائمی ہے اگر وہ مل جائے تو ان چیزوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی۔ یہ سودا بھی نام کا ہی سودا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی شان ہے کہ محبت اور پیار کے اظہار کے لیے سودا کہہ دیتا ہے ورنہ سودا کیسا؟ جو کچھ دیا ہے وہ بھی تو اسی نے دیا تھا۔ وہ جب دوبارہ ہم اس کے سامنے پیش کر دیں تو اللہ میاں کہتا ہے میں تم سے سودا کر رہا ہوں۔ وہ اگر چاہے تو چھین بھی لیتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے بڑے بڑے تاجروں کے حُلیے بگڑ جایا کرتے ہیں اور ان کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا زمینداروں کے پاؤں تلے سے زمینیں نکل جاتی ہیں۔ تو سو (۱۰۰) طریق ہیں اس کے لینے کے، مگر وہ نہیں لیتا۔ عجیب حوصلہ دکھاتا ہے بنی نوع انسان کے ساتھ۔ لیکن چاہتا یہ ہے کہ جب میں لوں تو طوعی طریق پر لوں تا کہ دینے والوں کے اندر عظمت کردار پیدا ہو اور اس کے نتیجے میں وہ مزید فضلوں کے وارث بنیں۔

یہ ہے فلسفہ اس چندے کا جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دنیا سے طلب کیا۔

پس یہ سارے کام ہم نے کرنے ہیں، لیکن کسی پر احسان نہیں۔ خود ان پر احسان ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ پیش کرنا ہے۔ یہ ان کا اور خدا کا معاملہ ہے اور جب خدا کے ساتھ خلوص کا معاملہ پڑتا ہے تو خدا اس معاملے کو انسان کے لیے کبھی بھی نقصان کا معاملہ نہیں بننے دیتا۔ یہ صرف بیوقوفی ہے، بدظنی ہے، جہالت ہے انسان کی کہ وہ سمجھے کہ میں قربانی کروں گا تو مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ حالانکہ قربانی نہ کرنے والے تو مصیبت میں مبتلا دیکھے گئے ہیں، قربانی کرنے والے کبھی مصیبت میں مبتلا نہیں دیکھے گئے۔ نہ وہ مبتلا ہوتے ہیں نہ ان کی اولادیں نہ اولادوں کی اولادیں۔ محاورہ ہے کہ

اولیاء کی اولادیں سات پشت تک اپنے باپ دادا کی نیکیوں کا پھل کھاتی ہیں۔ اور جسے اللہ تعالیٰ بڑھانا چاہے اگر سات پشتوں میں ایک بھی نیک پیدا ہو جائے تو یہ نظام جاری رہتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی جزا کا نظام تو کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا۔

پھر آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہم نے ساری دنیا کے سامنے اس نقطۂ نگاہ سے پیش کرنی ہے کہ ظالموں نے آپؐ کی ذات مقدس پر جتنے بھی اعتراض کیے ہیں ان سب کے جوابات ساتھ ہوں اور دنیا کی سب زبانوں میں وہ تراجم پیش کیے جائیں۔

یہ جو دوسرے رائج الوقت نظام کے قائل ہیں، مگر سرے سے خدا کے قائل ہی نہیں جب تک ان کے سامنے خدا تعالیٰ کی ذات کو پیش نہ کیا جائے اور ایسے پُر اثر اور مدلل مضمون نہ لکھے جائیں جن سے وہ سمجھنے لگیں کہ ہاں، واقعۃً اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہمیں ضرور غور کرنا چاہئے، اس وقت تک یہ ساری چیزیں ان پر کچھ بھی اثر نہیں کریں گی۔ نہ وہ قرآن کو سمجھیں گے، نہ سیرت آنحضرت ﷺ کو سمجھیں گے اور نہ ہی دوسرے پمفلٹ اور رسائل کی ان کے نزدیک کوئی قیمت ہوگی۔ جب وہ خدا تعالیٰ کی ذات پر غور کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں تب قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی سیرت اور دوسرے مضامین ان کے سامنے پیش کئے جائیں۔ ان کی دلچسپیوں کو اسلام کی طرف کھینچنے کے لیے بعض اور ضروری ذرائع ہیں۔ اگر آپ وہ اختیار نہیں کریں گے تو لاکھ کوشش کریں یہ لوگ آپ کی طرف مائل نہیں ہوں گے۔ مثلاً اسلام کا اقتصادی نظام ہے۔ ان کو بتایا جائے کہ کیوں یہ نظام اشترا کی نظام سے بہتر ہے؟ کیوں یہ Capitalistic سسٹم یعنی سرمایہ دارانہ نظام سے بدرجہا بہتر ہے؟ یہ لوگ مذہبی اقدار کو بھلا بھی دیں اگر خالصۃً دہریہ کے نقطۂ نگاہ سے حسابی نظر کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام کا پیش کردہ اقتصادی نظام باقی سب نظاموں سے بہتر ہے۔ جماعت کی طرف سے اس کو بارہا ثابت کیا جا چکا ہے لیکن وہ کافی نہیں۔ نئے بین الاقوامی تقاضوں کے لحاظ سے، اور نئے حالات کے لحاظ سے اس چیز کو ایک نئے رنگ میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اقتصادیات تو کوئی غیر متبدل چیز نہیں ہے کہ اگر اس کے اوپر آج سے پچاس سال پہلے ایک کتاب لکھی گئی تو وہ ہمیشہ کے لیے جاری رہے گی۔ صرف قرآن ہے جو ہمیشہ کے لیے جاری رہتا ہے۔ باقی

ساری انسانی کتابیں خواہ وہ کتنے بڑے بزرگوں اور علماء کی لکھی ہوئی ہوں ، وقت سے پیچھے رہ جاتی ہیں۔اس لیے بڑی جرأت اور بڑی قوت کے ساتھ ہمیں ان کو بتانا پڑے گا کہ موجودہ وقت کے نقطۂ نگاہ سے اقتصادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسلام کیا نظام پیش کرتا ہے اور دلائل سے منوانا پڑے گا کہ یہ نظام بہتر ہے اور تمہارا نظام اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ پھر اس نظام کے ساتھ جو مزید فوائد وابستہ ہیں اور جن کا تصور بھی ان کے نظاموں میں نہیں پایا جاتا وہ بھی ان کے سامنے پیش کرنے پڑیں گے۔ان باتوں کے وہ قائل ہوں گے تو اسلام میں دلچسپی لیں گے۔ ورنہ دنیا کی بھاری اکثریت دہریہ ہو چکی ہے۔ان کو اس بات میں ایک کوڑی کی بھی دلچسپی نہیں کہ مذہب کیا چیز ہے؟

میں نے ایسے لوگوں سے بارہا گفتگو کی ہے ابھی یورپ میں بھی کئی جگہ گفتگو کا موقع ملا۔ جو عیسائی کہلانے والے ہیں ان میں سے بھی اکثر عملاً دہریہ ہو چکے ہیں۔ان کے اندر کوئی ایسی دلچسپی نہیں ہوتی تھی کہ ہم ایک دم عیسائیت اور اسلام کی باتیں شروع کر سکتے۔اس لیے ایسی مجالس منعقد ہوتی تھیں جن میں ان کے ہر قسم کے سوالات کے جواب قرآن کریم کی رو سے دیے جاتے تھے۔نتیجۃً جب وہ دیکھتے تھے کہ ان کے دنیاوی سوالات کا حل قرآن کریم میں ہے تو پھر ان کے اندر دلچسپی پیدا ہوتی تھی۔

پس باتیں تو ساری ہی قرآن کریم کے حوالے سے ہونگی خواہ اقتصادیات کی باتیں ہوں خواہ فلسفے کی باتیں ہوں، خواہ سائنس کی باتیں ہوں۔لیکن سائنسدان کو سائنس کی زبان سمجھ آئے گی۔ فلسفہ دان کو فلسفہ کی زبان سمجھ آئیگی اور اقتصادیات کے ماہر یا اقتصادیات میں دلچسپی لینے والی دنیا کو اقتصادیات کی زبان سمجھ آئے گی۔

یہ سارے کام ایسے ہیں جو ابھی ہونے والے ہیں ان کے لئے اخراجات کی ضرورت ہے۔

پھر جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں ہمیں ایسی قوموں کے لئے جن کو قرآن کریم کے ساتھ کوئی بھی دلچسپی نہیں ہے، قرآن کریم کی ایسی آیات کا انتخاب کرنا پڑے گا، جو ان پر اثر کریں۔ خواہ کوئی دہریہ ہو یا غیر دہریہ، قرآن کریم کی تلاوت اسکے دل پر گہرا اثر کرتی ہے۔قرآن کریم میں یہ طاقت ہے کہ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ (الزمر:۲۴) انسان کے اندر

ایک قسم کا تزلزل پیدا کر دیتی ہے اور وہ خدا کی عظمت کے احساس سے کانپنے لگ جاتا ہے۔اس قدر براہ راست قوت ہے اس کلام میں تو ایسی آیات کا انتخاب کر کے نہایت ہی پاکیزہ آواز والے قاریوں سے انکی تلاوت کروائی جائے۔فنی لحاظ سے جو قاری ہیں وہ میرے ذہن میں نہیں ہیں بلکہ ایسے قاری ہوں جو معانی سمجھتے ہوں اور ان معانی میں ڈوب کر اور پورا دل اور جان ڈال کر تلاوت کریں۔پھر مختلف زبانوں میں ان آیات کے ترجمے ہوں۔میرے ذہن میں تو یہ نقشہ ہے کہ ہمیں کم از کم سو زبانوں میں قرآن کریم کی تلاوت کی ٹیپیں تیار کرنی چاہئیں۔یعنی چھوٹی چھوٹی علاقائی زبانوں میں بھی تیار ہوں لیکن دنیا کی بڑی بڑی زبانوں کی طرف تو ہمیں فوری توجہ دینی چاہئے۔دس پندرہ ایسی زبانیں ہیں جن کی اکثریت کے علاقوں کو ہم کور (Cover) کر سکتے ہیں۔یعنی وہاں تک ہم پہنچ سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں آنحضرت ﷺ کا کلام یعنی حدیث ہے۔مختلف موضوعات پر احادیث کی ٹیپیں تیار کی جائیں۔کچھ اقتصادی پہلو سے تعلق رکھتی ہوں کچھ نظریات سے۔اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق آپؐ کا بیان ہے۔حشر و نشر کے متعلق آپؐ کا بیان ہے۔اسی طرح آپؐ کی اور بہت سی پیاری باتیں ہیں۔انسان تقریروں میں لاکھ مہارت حاصل کر جائے۔حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے کلام کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ایک ایک کلمہ بعض دفعہ اتنا گہرا اثر کرتا ہے کہ کوئی چیز اس اثر کو روک نہیں سکتی۔وہ ہر مدافعانہ طاقت کو توڑ کر دل میں اتر جاتا ہے۔اس میں سچائی ہے وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔اس میں ایسا نور ہے جو انسان بنا ہی نہیں سکتا جو بنا تا ہے وہ اسی نور سے لیکر بناتا ہے۔اس کی طاقت سے طاقت حاصل کر کے آگے اس کے کلام میں عظمت پیدا ہوتی ہے اس لئے جب تک ہم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلام دنیا کے سامنے پیش نہیں کرتے (اور اس میں سے بھی صرف انتخاب پیش کر سکیں گے) اور پھر اس کے تراجم پیش نہیں کرتے، دنیا کو کیا پتہ کہ کون ہم سے مخاطب ہے۔

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام ہے۔اللہ کے عشق میں آپ نے جو گیت گائے ہیں، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت میں جو گیت گائے ہیں اور قرآن اور اسلام کی محبت میں جو گیت گائے ہیں ان کو مختلف اچھی آواز والوں سے ریکارڈ کروا کر مختلف زبانوں میں منظوم ترجمے کروانے ہیں اور پھر ان منظوم تراجم کو کیسٹ میں بھرنا ہے یا وڈیو کی شکل میں اتارنا ہے۔اور ساری دنیا

میں پھیلانا ہے تاکہ جب یہاں سوسالہ جشن منایا جارہا ہو تو ہر قوم قرآن کی تلاوت کرتی ہوئی آئے اور احادیث پڑھتی ہوئی آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ نغمے الاپتی آئے جو آپ نے قرآن اور حدیث اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کے عشق میں کہے۔

یہ ہے ہمارا جشن ۔ ہم کسی ڈھول ڈھمکے کے تو قائل نہیں ۔ جب تمام دنیا سے قافلے یہ گیت گاتے ہوئے ربوہ میں داخل ہوں گے، وہ ہوگا اصل جشن جس سے روحیں ایک عجیب سرور حاصل کریں گی اور خدا کی راہ میں قربانیوں کے لئے ایسی نئی قوت پائیں گی کہ اگلے سوسال کے لئے وہ قوتیں کام دیں گی۔

لیکن اس جشن کی تیاری کے لئے جو ضروریات ہیں ان کو پورا کرنے کے سلسلہ میں ہم پیچھے رہ گئے ہیں ۔ اصل بات یہ ہے کہ اب سوائے اس کے کہ ہر وہ شخص جس نے صدسالہ جوبلی میں وعدہ لکھوایا ہے جب تک غیر معمولی طور پر توجہ اور الحاح کے ساتھ دعا نہ کرے، اس وقت تک اس کے یہ فرائض پورے نہیں ہو سکتے ۔ میں بھی دعا کروں آپ بھی دعا کریں، بچے بھی، بڑے بھی، عورتیں بھی، مرد بھی ۔ سب کے سب اس طرح دعائیں کریں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر جس طرح سپین کی مسجد کی تعمیر کے وقت آپ کی دعائیں پوری ہوتی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی تھیں ۔ یوں لگتا تھا کہ خدا کے فرشتے بارش کے قطروں کی طرح اتر رہے ہیں ۔ یہ ہوتا ہے دعاؤں کا مزہ کہ آنکھ کو دکھائی دے کہ ہاں کچھ ہو رہا ہے اور ایک عجیب پاک تبدیلی پیدا ہو رہی ہے ۔ ایسے آنسو بہانے کی ضرورت ہے ایسی دعائیں کرنے کی ضرورت ہے ورنہ آپ سوسالہ جشن کے حقوق ادا نہیں کر سکیں گے ۔ نہ قربانی کے لحاظ سے اور نہ دوسرے فرائض کے لحاظ سے جن کا خلاصہ میں نے اس وقت پیش کیا ہے بلکہ خلاصہ بھی نہیں، بہت بڑے وسیع کاموں میں سے چند ایک عنوانات آپ کو سنائے ہیں۔

پس دعا کریں، پھر دعا کریں اور پھر دعا کریں ۔ اشکوں کی راہ سے اپنے خون بہائیں خدا کی راہ میں ۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائیگا اور سارے کام بنا دے گا ۔ پتہ بھی نہیں لگے گا کہ بوجھ کس چیز کا نام ہے ۔ بوجھ خود بخود اترتے چلے جاتے ہیں اور قربانیوں کی توفیق ملتی جاتی ہے۔

دعا ایک ایسی عظیم الشان چیز ہے کہ اس کے دو پہلو ہیں برکت کے ۔ اس کا وہ کنارا بھی

بابرکت ہے جہاں سے یہ اٹھتی ہے اور وہ کنارا بھی بابرکت ہے جہاں یہ پہنچتی ہے۔ دعا کرنے والے کو قبولیت دعا سے پہلے دعا کی کچھ برکتیں نصیب ہو جاتی ہیں ۔ کیونکہ دعا کرنے والے کے دل میں ایک عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ دعا اس کے اندر اپنے پیچھے ایک سچائی چھوڑ جاتی ہے۔ اس کے اندر بعض ایسی اعلیٰ صفات پیدا کر جاتی ہے کہ ابھی قبول بھی نہیں ہوئی ہوتی اور اپنی برکتیں عطا کر دیتی ہے۔ پھر جب دعا عرش الٰہی کے کنگروں تک پہنچتی ہے تو بے انتہائی برکتیں لے کر نازل ہوتی ہے تو جس کے دونوں کنارے بابرکت ہوں اس سے کیوں فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ ایسی دعاؤں کے نتیجے میں حاصل ہونے والی برکتوں سے جماعت احمدیہ کو بے انتہاء فوائد پہنچیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ قرآن کریم میں دنیا کی یا کائنات کی مثالیں پیش کر کے الٰہی مضامین بیان فرماتا ہے، اسی طرح دعا پر بھی غور کریں تو دنیا میں اس کی ایک بڑی عجیب مثال نظر آتی ہے۔ جب پانی سے بخارات اٹھتے ہیں تو وہ بجلی کی ایک قوت سمندر میں چھوڑ جاتے ہیں اور ایک دوسری قوت آسمان میں لے جاتے ہیں۔ یعنی اٹھتے وقت بھی قوت پیدا کر جاتے ہیں اور جہاں پہنچ رہے ہیں وہاں بھی قوت پیدا کر دیتے ہیں۔ بجلی کی ایک قسم مثبت یا منفی (کہیں مثبت، کہیں منفی) سمندر کی سطح پر رہ جاتی ہے اور ایک قوت اٹھ کر آسمان پر چلی جاتی ہے اور دونوں مختلف سطحوں سے مختلف قسم کی قوتیں اٹھ رہی ہوتی ہیں۔ کہیں سے مثبت اٹھ رہی ہے۔ کہیں سے منفی۔ کہیں منفی پیچھے رہ رہی ہے، کہیں مثبت پیچھے رہ رہی ہے نتیجۃً سارا آسمان قوت سے بھر جاتا ہے۔ اور پھر جب بجلی کی وہ طاقتیں ایک دوسرے کے ساتھ عمل کرتی ہیں تو اس کے نتیجے میں فضلوں کی وہ بارش پیدا ہوتی ہے جو آپ دیکھتے ہیں۔

کچھ اسی قسم کا نظام میں نے دعا کا بھی دیکھا کہ جب دعا خلوص کے ساتھ اور سچائی کے ساتھ دل سے اٹھتی ہے تو ایسی دعا انسان کو پاک کر دیتی ہے انتظار نہیں کرواتی کہ میری قبولیت کا انتظار کرو۔ اس کی ساری محنت کا بلکہ اسکی محنت سے کہیں بڑھ کر پھل اس کو عطا کر جاتی ہے۔ پھر جب وہ فضل بن کر نازل ہوتی ہے تو انسان کہتا ہے کہ یہ تو فضل ہی فضل ہے میری دعا تو میرا اجر اور پھل مجھے دے گئی تھی۔ جو کچھ ہے محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

پس اس جذبے کے ساتھ اور دعا کے اس فلسفے کو سمجھتے ہوئے دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہو۔ ہمیں ساری ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ وہ خود ہمارے بوجھ اٹھانے والا ہو اور جس طرح باپ اپنے بچوں کا بوجھ پیار کے ساتھ اٹھاتا ہے اور بتاتا یہ ہے کہ گویا وہ اٹھا رہے ہیں، اسی طرح ہم بھی اپنے بھول پن میں یہی سمجھتے رہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر لیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ساری ذمہ داریاں اللہ ہی ادا کرے گا۔ اسی کی طاقت میں ہے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:

خطبہ میں مَیں ایک بات کہنی بھول گیا۔ وہ دراصل اس کا حصہ ہی ہے کچھ انتظامی وضاحتیں بھی ضروری تھیں وہ ایک دو فقروں میں مَیں کر دیتا ہوں۔

یہ جو صد سالہ جوبلی کا نظام ہے۔ دراصل اس کا تعلق تحریک جدید سے ہے۔ لیکن ابتداء میں ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ کہ ایک الگ چھوٹی سے آرگنائزیشن بنا دی جاتی ہے تا کہ وہ فوری طور پر اس کام کو سنبھال لے۔ یہ ایک نیا منصوبہ تھا۔ اس کے سارے خدوخال اس وقت کھل کر سامنے نہیں آئے تھے۔ اب میں نے انتظامی پہلو پر غور کیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ انجمن کا حصہ بننے کی نسبت تحریک جدید کا حصہ بننے کے زیادہ اہل ہے اور قریب تر ہے کیونکہ اس کے اکثر تقاضے بیرونی ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور جہاں تک جشن کا تعلق ہے تو اس کے لئے ایک الگ کمیٹی مقرر ہے۔ اس لئے اس پر کوئی فرق ہی نہیں پڑنا چاہیے اس منصوبے کو تحریک کا حصہ بنایا جائے یا انجمن کا۔ منصوبہ بندی کمیشن اپنا آزاد کام کرتا رہے۔ یہ میں اس لئے واضح کر رہا ہوں کہ اب سے یہ تحریک جدید کی ذمہ داری ہے ان کا فرض ہے کہ وہ ساری دنیا میں کوشش کر کے جلد از جلد جماعت کو اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کریں اور امید ہے انشاء اللہ بہت جلد حالات بہتر ہو جائیں گے۔

آئندہ سے سیکرٹری صد سالہ جوبلی کی بجائے اس شعبے کا انچارج وکیل ہوگا اور وہ وکیل برائے صد سالہ جوبلی فنڈ کہلائے گا یا علماء جو بھی اس شعبہ کا ایک مختصر سا اور بہتر نام تجویز کریں اس کے مطابق وہ رکھ لیا جائے گا۔ آج ہی حسن اتفاق سے ہمارے وہ سینئر مبلغ ربوہ پہنچے ہیں یا پہنچنے والے ہیں جو اس منصوبے کے لئے میرے ذہن میں تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسا تطابق فرمایا اور ایسا توارد ہو گیا کہ جمعہ پر

آنے سے معاً پہلے پتہ چلا کہ میر مسعود احمد صاحب (مبلغ انچارج ڈنمارک) آج ہی پہنچ رہے ہیں۔ ان کے استقبال کے لئے دوست فیصل آباد گئے ہیں اور وہی میرے ذہن میں تھے کہ وہ آجائیں تو ان کے سپرد یہ کام کیا جائے۔ اس لئے میں انکو اس کام کے لئے وکیل مقرر کرتا ہوں۔ جس طرح تحریک جدید میں باقی وکلاء ہیں۔ اسی طرح یہ بھی وکیل ہوں گے اور وکالت علیا کے تابع، وکیل اعلیٰ کی ہدایت کے مطابق کام کریں گے اور انشاء اللہ آئندہ سے اس شعبے کے حسابات تحریک جدید کی طرف منتقل کر دیئے جائیں گے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۱؍ فروری ۱۹۸۳ء)